"ماس اور مٹی" کے افسانوں میں فرد کا داخلی کرب

ڈاکٹر فریدہ عثمان ، لیکچرار اردو، محکمہ اعلی تعلیم خیبر پختونخوا پشاور

ڈاکٹر نیلم، ایسوسی ایٹ پروفیسر اردو، محکمہ اعلی تعلیم خیبر پختونخوا پشاور

ڈاکٹر شاہنواز خان، اسسٹنٹ پروفیسر اردو، محکمہ ابتدائی وثانوی تعلیم خیبر پختونخوا

Abstract:

This research paper critically explores the portrayal of the individual's inner agony in Mansha short story collection “Mass aur Matti". Recognized for his deep psychological insight Yaad' and socio-cultural engagement, Mansha Yaad intricately crafts characters who grapple with existential dilemmas, emotional isolation, and the burdens of societal expectations. Through a symbolic and realistic narrative style, his stories depict the silent suffering of individuals caught between tradition and modernity, personal desires and collective responsibilities. This study analyses selected short stories from the collection, focusing on how the author employs imagery, metaphor, and internal monologue to expose the fractured inner world of his characters. The paper also examines the thematic resonance of alienation, memory, and identity crisis, situating Mansha Yaad' work within the broader context of modern Urdu fiction. The research aims to highlight how his fiction serves as both a mirror and a critique of contemporary individual existence, making his work profoundly relevant to the discourse on the psychology of the self in literature.

Keywords: Mansha Yaad, Mass aur Matti, inner agony, individual psychology, Urdu short stories, existential crisis, identity, alienation, symbolism, modern Urdu fiction.

کلیدی الفاظ: منشایاد، ماس اور مٹی، داخلی کرب، فرد، نفسیات، شناخت، جدید افسانہ

اردو میں افسانوی ادب کا آغاز ملا وجہی کے زمانے میں دکن سے ہوا۔ بعد میں نو طرز مرصع اور عجائب القصص جیسی داستانیں تخلیق کی گئی۔ فورٹ ولیم کالج نے تراجم کی روایت کو آگے بڑھایا۔ ڈپٹی نذیر احمد، رتن ناتھ سرشار، مرزا ہادی رسوا، عبدالحلیم شرر اور پریم چند نے ناول کی صنف کو نکھارا۔ ادبی اصناف مختلف تحریکوں اور رجحانات کے زیر اثر تخلیق ہوتے رہے۔ اصلاحی، سیاسی، تاریخی، سماجی اور نظریاتی تحریریں تخلیق ہوئی ۔ بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں جب افسانے کا آغاز ہوا، تو کہانی میں ہیئت اور تکنیک کی سطح پر کئی تبدیلیاں رونما ہوئی۔ پریم چند سے قبل کا دور رومانوی افسانے کے حوالے سے مشہور تھا جن میں راشد الخیری، علامہ نیاز فتح پوری، سجاد حیدر یلدرم کے ساتھ پریم چند کا نام بھی قابل ذکر ہے پریم چند نے مذکورہ بالا افسانہ نگاروں کی نسبت زندگی کے مسائل اور سماجی تفریق کو موضوع بنایا۔ افسانے کی بنیاد حقیقت پسندی پر رکھی، جبکہ رومانی افسانہ نگاروں نے تخیل اور تصور سے کام لیا اور دنیا کی تلخیوں سے الگ حسن و جمال کی ایک دنیا تخلیق کی۔ ابتدائی اور تشکیلی دور کے بعد ترقی پسند تحریک نے افسانے کو عالمی معیار کے ادب کے برابر کیا۔

ترقی پسند افسانے نے ادب برائے زندگی کے منشور کے تحت افسانے تخلیق کیے۔ ان افسانوں میں زندگی کے حقیقی مناظر کو موضوع بنایا گیا۔ ترقی پسند افسانے کے تحت ادب میں جدید رجحانات کو اپنایا گیا۔ سجاد ظہیر، سہیل عظیم آبادی، اختر حسین رائے پوری، حیات اللہ انصاری، اوپندر ناتھ اشک اور پریم چند جیسے افسانہ نگاروں نے سیاسی اور سماجی مسائل کو موضوع بنایا۔ تقسیم ہند کے بعد افسانے میں ہجرت اور فسادات کے کرب کو نفسیات حوالے سے پیش کیا گیا۔ وجودیت کے زیر اثر موضوعات میں فرد کی انفرادی زندگی کو اہمیت ملی۔ جدیدیت نے زور پکڑا، تو علامتی اور تجریدی افسانے کے ساتھ کہانی پر ابہام کے اثرات آئے۔ موضوعاتی اور اسلوبیاتی سطح پر اردو افسانے میں نیا ادب تخلیق ہونے لگا۔ پرانی روایات سے ادیب نے نئے موضوع اور اسلوب کو اخذ کیا۔ احمد ہمیش رشید امجد، بلراج مینرا، انتظار حسین نے علامتی اور تجریدی افسانے تخلیق کیے۔ اس

دور میں مختلف تحریکوں اور رجحانات نے جدیدیت کے زیر اثر سر اٹھایا، جن میں سیر یلزم، اینٹی سٹوری، تجرید، علامت اور نفسیات کے مختلف رجحانات شامل تھے۔

۱۹۷۰ کے بعد لکھنے والوں نے افسانے کو نیا رنگ دیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس دور میں افسانہ علامت اور تجرید سے نکل کر دوبارہ کہانی پن میں داخل ہوا۔ اس دور میں نیر مسعود، اسد محمد خان زاہدہ حنا، سلام بن رزاق, آصف فرخی، سید محمد اشرف، مظہر الاسلام اور منشایاد کے نام اہم ہیں۔

۷۰ کی دہائی میں افسانہ فرد کی ذہنی انتشار شکست وریخت اقتدار کی پامالی نسلی, سیاسی اور سماجی تغیرات جیسے موضوعات پر مشتمل تھا۔ یہ موضوعات اس سے قبل بھی پیش ہوتے رہے، تاہم ان پر مقصدیت کا رنگ غالب تھا، جدید افسانہ نگاروں نے موضوع کو اگرچہ بارہا دہرایا ہے، لیکن ان کے ہاں تکنیکی سطح پر کہانی کو باطنی صورتحال سے ہم آہنگ کر کے پیش کیا گیا ہے۔ ان کے کردار ظاہری اعمال سے نہیں بلکہ داخل سے واقعات کو جنم دیتے ہیں۔ کہانی کی فضا میں ایک کرب موجود ہوتا ہے، ان کرداروں کے زیر اثر تخلیق ہونے والا افسانہ مقصدیت سے عاری ہوتا ہے، اگرچہ اس میں ابہام موجود ہے، لیکن اس دور کے افسانہ نگاروں نے درمیان کی راہ بھی نکالی ہے۔ اور فطری تقاضوں اور تخلیقی حدود کی پابندی بھی کی۔

منشایاد کے افسانوں میں علامت ابہام فرد کی داخلی ابلاغ کا ذریعہ ہے ان کے افسانوں میں فرد کا المیہ نفسیات اور معاشرتی ناانصافیوں سے جنم لیتا ہے وہ ایک طرف تو دیہاتی زندگی کے مسائل کو اور دوسری جانب شہر میں بدعنوانیوں اقتدار اور ایوان کی طاقت کو سامنے لے کر آتے ہیں۔

"منشایاد کے نزدیک افسانہ ایک ایسا مختصر نثر پارہ ہے جس میں کسی واقعہ خیال منظر جذبہ
احساس تجربہ یا روحانی کیفیت کو اس طرح پیش کیا جائے کہ وہ پڑھنے والے کو متاثر کرے اور
اس کی یاد کا حصہ بن جائے اور زندگی کے معاملات اور مسائل سے نبرد آزما ہونے کا
حوصلہ بخشے ان کے زیادہ تر افسانے اسی تصور تخلیق کے آئینہ دار ہیں
وہ جمود ٹھہراؤ اور روایت پسندی سے انحراف کرتے ہوئے
ہر طرح سے رونما تبدیلیوں کو افسانے کا حصہ بناتے ہیں"۱

وہ خود لکھتے ہیں:

"مجھے لت پڑ گئی کہ میں خود کو دوسروں کی جگہ پر رکھ کر دیکھوں ان کی لذت و مسرتوں حسرتوں
اور اذیتوں کو محسوس کروں میں نے سینکڑوں روپ بدلے انگنت کالبوں میں
ڈھلا مجھے بہت سی ایسی زندگیوں کے تجربات حاصل ہوتے رہے جو میں
نے خود نہیں گزاری تھیں لیکن مجھے ایسا لگتا تھا جیسے میں نے خود گزاری ہیں"

یوں تو کہا جا سکتا ہے کہ کہانی حقیقت نہیں اور اس اعتبار سے کہانی میں لطف اور عصر کا امکان بھی کم ہو سکتا ہے، لیکن جب کہانی میں علامت اور مفہوم کو شامل کیا جائے اور زندگی کے ان پہلوؤں کو شامل کیا جائے جو انسان کو ذہنی و جذباتی دونوں طور پر قابل قبول ہو تو افسانے میں انفرادیت آتی ہے۔ ابہام سے قطع نظر علامتی اور تمثیلی پیرائے زندگی اور اس کے مسائل کی ساخت کو خاص معنی عطا کرتے ہیں۔ افسانے کے حوالے سے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ افسانے میں خالص تخلیقی عناصر کا ہونا ضروری ہے، کہانی کا ڈھانچہ تب وحدت قائم رکھ سکے گا، جب اس میں تزکیہ نفس کے عناصر کو شعوری اور لاشعوری طور پر برتا گیا ہو۔ اظہار کے وسیلے چاہے کچھ بھی ہو اصل چیز کہانی میں انسانی زندگی اور سچے ادب کا ابلاغ ہے۔ منشایاد کی کہانیاں روایتی تمثیلی اور علامتی تینوں اسلوب میں کہانی کی اصل صورت کو ہمارے سامنے لے کر آتی ہیں۔ ان کی کہانیاں زندگی کی اصل حقیقت کی تشہیر ہے۔ وہ بڑے سے بڑے المیہ کو چند کرداروں کے ذریعے سامنے لاتے ہیں۔

ان کی کہانیوں کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اپنی کہانی کے پیچھے خود کھڑے ہوتے ہیں وہ واقعات کے اندر دخل اندازی نہیں کرتے, لیکن کہانی سے خود کو الگ بھی نہیں رکھتے۔ ان کے ہاں تخلیقی تجربہ مادی نہیں بلکہ وہ انسانی فطرت سے وابستہ ہے۔ اس میں تنوع ہے اور یہ تنوع ایک واقعے میں کئی واقعات کو تخلیق کرتا ہے، یہ اگرچہ متفرق واقعات سے جنم لیتا ہے تاہم اس میں مجموعی تاثر چند کرداروں کے ذریعے اور ان کی زندگی کے سانحات کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے وہ انسانی اجتماعی مسائل کو کہانی کی ساخت میں ڈھالنے پر عبور رکھتے ہیں ان کا افسانوی مجموعہ "ماس اور مٹی" انسانی زندگی کو قریب سے سمجھنے کا ایک موقع ہے ان افسانوں میں انہوں نے انسانی نفسیات کے شعور ولاشعور، تاریخی و سماجی مضمرات اور انسانی داخلی اضطراب کو پیش کیا ہے وہ یہ بتانے کی کوشش کرتے ہیں، کہ انسان کے داخل کا کرب جتنا عیاں ہے، اس قدر پوشیدہ بھی ہے۔ وہ انسانوں کی اجتماعی زندگی کے مسائل پر اتنا زور نہیں دیتے، یہی وجہ ہے کہ ان کی کہانیوں میں بالائی سطح کم نظر آتی ہے جبکہ اندرونی سطح پر عمیق داخلی کیفیات کی عکاسی ملتی ہے۔

"منشایاد کے افسانوں میں معاشرہ ایک متحجر ifossi کی طرح نہیں
بلکہ ایک ذی روح یا ارگنزم کے طور پر ابھرا ہے لہذا افسانہ نگار کی حیثیت
اس ماہر آثار قدیمہ کی سی نہیں ہے جو زمین کو دکر آثار دریافت کرتا ہے بلکہ
اس کسان کی سی ہے جو زمین سے بیج کے پھوٹنے کا منظر دیکھتا ہے اور پھر
اس ساری تفصیل کو بیان کر دیتا ہے جس کا ایک ایکٹ بالائے زمین جبکہ دوسرا زیر زمین کھیلا گیا ہے"۳

منشایاد کے افسانوں میں مغرب کے برعکس مشرقی احساس گہرا ہے ان کی کہانیاں اور کردار زیادہ تر دیہی علاقوں سے ہیں "ماس اور مٹی" میں انسانی لاشعور میں دفن باقیات کا اظہار ہے یہ کرب خارج سے تعلق توڑ کر داخل کی چیخ و پکار کی جانب لوٹتا ہے انہوں نے فرد، اجتماع اور سماج کی جو صورت پیش کی ہے وہ وجودی انداز میں سامنے آتا ہے۔ ان کی کہانیوں میں داخلی جہت غیر معمولی کرب کے ساتھ نمایاں ہے یہ دکھ فرد کے لاشعور سے جنم لیتا ہے جس میں اس کی اجتماعی لاشعور کے مسائل اور زیریں سطح کا زاویہ ملتا ہے۔ دیکھا جائے تو افسانہ بذات خود انسانی خیالات کا محور ہے انسان اپنی زندگی کے واقعات کو خیالات اور تصور کے اعتبار سے پیش کرتا ہے اور یہ کہانی تخلیق کار کے ذہنی پختگی کا نمایاں عنصر ہیں۔ کہانی کار اپنے ماحول سے اور انسانوں کے مجموعی رویے سے واقعات کو اخذ کرتا ہے۔

ماس اور مٹی ۱۹۸۰ میں شائع ہوا۔ جس میں انہوں نے فرد کی شناخت اور داخلی اضطراب کے رجحان کو پیش کیا۔ پختگی اور معیار کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہ افسانوی مجموعہ انسانی نفسیات کے وسیع اور گہرے باطنی رشتے کو سامنے لاتا ہے فرد اور اس کے داخل کے درمیان یہ کہانیاں اس قدر شدت کے ساتھ ربط پیش کرتی ہیں کہ جس میں راوی کے متعلق خیال کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ کہانی بیان کر رہا ہے یا خود کہانی ہے ان کہانیوں میں نفسیاتی سطح پر شناخت کے مسئلے کو ابھارا گیا ہے۔ کردار بے چین ہیں۔ سماج میں گمنام ہیں۔ ان میں وقت کے بہاو کا ساتھ دینے کی سکت نہیں، ایسا شاید اس لئے ہے کہ انہوں نے کرداروں کے ذریعے ان کے داخلی کیفیات کو عیاں نہیں کیا، بلکہ قاری اس کے سوچ اور عمل سے خود ان کے متعلق فیصلہ کرتے ہیں۔ ماس اور مٹی کی پہلی کہانی "راستے بند ہیں" کا مرکزی کردار میلہ دیکھنے جاتا ہے اس کی جیب میں پھوٹی کوڑی نہیں، وہ کہتا ہے:

"میں میلے میں نہیں آیا میلہ خود میرے چاروں طرف لگ گیا ہے
اور میں اس میں گھر گیا ہوں"۴

کہانی میں چاروں طرف شور ہے، ہارن، گھنٹیا، پیدل چلنے والے میلے کے ارد گرد سب ایک اضطرابی کیفیت کو پیش کرتے ہیں۔ چاروں جانب میلہ اس کی زندگی میں مسائل کے بہتات کو عیاں کرتا ہے جو مجسم سے زیادہ تجریدی ہیں جن کا تعلق اس کے نفسیات سے ہے اور داخلی اضطراب میں وہ گونا گوں پھرتا ہے، خود کو تلاش کرتا ہے اس دور کے افسانوں میں فرد کے ساتھ بڑا سانحہ اس کا خود سے رابطہ منقطع ہونا تھا، اپنی شناخت سے بے خبر ہونا تھا۔

"صبح وہ کتنے ہی دیر تک کسی بھٹی کے قریب کھڑا جھولستا رہا"۵

راستے بند ہیں، افسانہ میں انسانی خواہشات کے دروازے کھلے ہیں۔ افسانے کا راوی محض ایک راوی نہیں، وہ خود زندگی کے تلخ ترین حقائق کا امین ہے، جو ایک معصوم ذہن کو اس کی محرومیوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے معاش کا تجریدی سہارا دیتا ہے "انسان سب ایک جیسے ہیں، ان کے چہرے مختلف سہی، مگر جو ایک محسوس کرے، وہ دوسرے تک بھی پہنچتا ہے۔" یہ فلسفہ بچہ قبول کر لیتا ہے۔ کہانی میں جب ایک آدمی ٹرک کے نیچے آتا ہے، تو بچہ یہ سوچتا ہے کہ جو کچھ اس انسان کے ساتھ ہوا ہے، وہ میرے ساتھ بھی ہوا ہے۔ اب وہ صرف ذائقہ نہیں، موت کو بھی مشترک سمجھنے لگتا ہے۔ اور یہ سوچ اس کو زمین پر گرا دیتی ہے.

"کیا بات ہے بھائی

وہ پوچھتا ہے حادثہ ہو گیا ہے-- آدمی ٹرک کے نیچے آ کر کچلا گیا، وہ پریشان ہو کر میری طرف دیکھتا ہے

پھر کہتا ہے:

ٹرک میرے اوپر سے ٹرک گزر رہا ہے

نہیں میں چلایا"٦

یہ کہانی محض ایک میلے کی کہانی نہیں، بلکہ فرد کے اس داخلی کرب کا آئینہ ہے، جو محرومی، محبت، فلسفہ، اور تخیل کے بیچ جھولتا ہے۔ یہ اس ذہنی کیفیت کی گواہی ہے، جہاں انسان اپنی شناخت سے نکل کر ایک اجتماعی ہمدردی کے دائرے میں آجاتا ہے۔ افسانہ "کچی پکی قبریں" کا مرکزی کردار کوڈو بھی اسی قسم کے کرب سے گزرتا ہے۔ وہ معاشی عدم مساوات کے المیے کو داخلی طور پر حل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ نفسیاتی اور طبقاتی جبر کے ماحول میں پرورش پانے والا فرد ہے جو ماں باپ کے ق انتقال کے بعد فرار کا راستہ اختیار کرتا ہے اور قبرستان میں رہنے لگتا ہے۔ وہ دن رات والدین کی قبروں پر بیٹھا رہتا ہے، زندہ انسانوں کی دنیا سے اس کا رابطہ منقطع ہو چکا ہے۔ اس کا عمل جذباتی وابستگی سے زیادہ ایک داخلی اضطراب ہے۔

"کوڈو سورج غروب ہونے سے قبل قبرستان پہنچ جاتا ہے"۷

جب کوڈو دیکھتا ہے کہ گاؤں کے بااثر یا دولت مند افراد کی قبریں روشن ہوتی ہیں، ان پر حاضری دینے والے موجود ہوتے ہیں۔ اس کے والدین کی قبریں خالی اور سنسان ہیں، تو اس کے اندر ایک گہرا تضاد جنم لیتا ہے۔ یہاں وہ ایک مشاہدہ کرتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی معاشرتی امتیاز زندہ ہے۔ وہ قبروں کی شناخت بدل دیتا ہے، یہ عمل درحقیقت ایک فرد کے اندر پنپتے اس احساسِ کمتری، طبقاتی غیر برابری، اور معاشرتی رد کے خلاف علامتی اقدام ہے۔ داخلی طور پر کوڈو مستقل محرومی اور ان دیکھی شناخت کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔ اس کی یہ حرکت، قبروں کی تبدیلی، صرف ایک عملی قدم نہیں بلکہ اس کے اندر جاری شناختی بحران کا اظہار یہ ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کے والدین کو بھی وہی عزت، وہی اعتراف ملے جو

معاشرے نے امیر طبقے کے مردوں کو موت کے بعد بھی بخشا ہے۔ اس کا یہ عمل ایسی سماجی حقیقت کی نشان دہی ہے جس میں شناخت کا معیار انسانی اقدار نہیں بلکہ سماجی رتبہ ہے۔

"پہلے کوڈوں پختہ قبروں کے طاقچوں میں جلتے ہوئے دیئے اور اگر بتیاں
دیکھ کر اپنے ماں باپ کی مفلسی اور بے کسی پر ترس آتا اور دکھ ہوتا ہے
مگر اب قبرستان میں اندھیرا پھیلتے اور لوگوں کے رخصت ہوتے ہی
وہ پختہ قبروں سے دیئے اٹھا کر اپنے ماں باپ کی قبروں پر رکھ دیتا ہے "۸

منشایاد کے افسانوں میں جذباتی واقعات نہیں ملتے۔ ان کے ہاں انسان کی ازلی بے بسی اور المیہ شدت میں اضافہ کرتے ہیں انہوں نے دیہی زندگی کی محرومیاں جہالت, اور اونچ نیچ کو پیش کیا۔ ان کی کہانیاں اپنی ہئیت اور سماجی اعتبار سے علامتی بھی ہیں اور غیر علامتی بھی، افسانہ "پانی میں گھر اپانی "عنوان سے ہی فرد کے جنسی المیہ کو پیش کرتا ہے کہانی ایک ایسے مرد کے گرد گھومتی ہے جو جنسی ضرورت پوری نہیں کر سکتا، وہ کڑی دوپہر میں مٹی سے بیل اور گھوڑے بناتا ہے اس کی جنسی احساس کمتری اسے مٹی کا باوا بنانے پر آمادہ کرتا ہے اور دوسری جانب زینا ں تھی جو دتے کو مکمل مرد نہیں سمجھتی تھی کہانی میں ایک اور کردار رمجے کا ہے جو زیناں کی وجہ سے دتے کو مرد سمجھتا ہے، پوری کہانی ان تین کرداروں کی جنسی خواہشات کے کرد گھومتی ہے تینوں اپنے اپنے مدار میں نفرتوں کے ستائے اور محبتوں کے لئے ترسے ہیں

"وہ چاہتا تھا دیکھے ہوئے ان بہت سے چہروں اور جسموں کو توڑ کر ان کے خمیر سے
ایک نہایت عمدہ قدو قامت اور چہرے والا آدمی بنائے جو ہر طرح سے مکمل اور نادر ہو "۹

کہانی کے بیانیے میں قاری کو جذباتی شدت یا ظاہری واقعات کی بھرمار نظر نہیں آتی۔ ان کا اسلوب ایک خاموش، مگر گہری معنویت کا حامل ہے، جو انسانی وجود کے المیہ پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے۔ دتے کی جنسی کمزوری اس کی شناحت کے بحران کو جنم دیتی ہے مٹی کا باوا بنانا محض ایک مشغلہ نہیں بلکہ اس کی مردانہ بے بسی اور اندرونی اضطراب کی تخلیقی علامت ہے۔

افسانے میں زیناں کا، ردِ قبولیت دتے کی نفسیاتی شکست کو مزید گہرا کر دیتا ہے، اور سماجی سطح پر مردانگی کی متعین تعریفات کو چیلنج کرتا ہے۔ رمجا، زیناں کی وجہ سے دتے کو مکمل مرد تسلیم کرتا ہے منشایاد نے جنسی خواہش کو ایک بنیادی انسانی محرک کے طور پر پیش کیا ہے، مگر اسے سطحی یا رومانوی انداز میں نہیں برتا۔ یہاں جنس شناخت، سماجی درجہ بندی، فرد کے داخلی المیے، اور اس کی مکمل ہونے کی جدوجہد کی علامت ہے۔ "پانی میں گھر اپانی "نہ صرف فرد کے اندرونی خلفشار کی عکاسی کرتا ہے بلکہ اس کے ذریعے منشایاد ایک وسیع سماجی اور ثقافتی کینوس کو چھوتے ہیں جس میں مردانگی، نسوانیت، اور انسان ہونے کی بنیادی معنویت مسلسل سوال زد ہوتی ہے۔

افسانہ "اپنا گھر "میں مرکزی کردار گھر سے گاؤں جانا چاہتا ہے وہ سکون چاہتا ہے اور فیصلہ کرتا ہے کہ کچھ دن کے لئے گاؤں جائے گا وہ اپنے ساتھ ضروریات زندگی کی چیزیں جمع کرتا ہے مادی زندگی کی مصروفیت اور فرد کی بے بسی اس قدر غالب ہوتی ہے کہ عام انسان اپنے لئے چند لمحے بھی نہیں بچا سکتا۔ مصنف کہانی میں مرکز انسانی سوچوں کے عدم توازن کو بتاتا ہے کہ اس کی خواہشیں اور خارجی زندگی کی ضرورتیں ہی اس کے کرب میں اضافہ کرتی ہیں وہ آخر تک مطمئن نہیں ہوتا کہ کن چیزوں کو ساتھ لے کر جانا ہے۔

"میں نے گھر جا کر تمہاری والدہ کو اطلاع دی کرایہ لیا اور چلا آیا سوچا اپنے ہی گھر تو جا رہا ہوں "۱۰

مصنف دراصل اس عمل کے ذریعے انسانی ذہن کے اس تیز رفتاری کو بیان کرتا ہے جو جدید انسان کی روزمرہ زندگی کا حصہ بن چکی ہے۔ چیزیں جو سہولت کا ذریعہ ہونی چاہئیں، وہی الجھن بن جاتی ہیں؛ اور سفر جو ایک منزل کی طرف روانگی ہونا چاہیے، وہ تیاریاں ہی تھکن اور بے چینی پیدا کر

دیتی ہیں۔ آخر میں افسانے کے ختتام میں داخلی اطمینان، سادہ فہم، اور زندگی سے جڑے ہوئے فطری رویے کی جھلک ہے۔ دو نسلوں کے مابین یہ تضاد کہانی کی تہہ میں چھپا ہوا سب سے بڑا کرب ہے وہ شخص جو سکون کی تلاش میں ہے، اسی تلاش میں بے سکون ہو چکا ہے۔

افسانہ "باگھ بگھیلی رات" جدید افسانہ ہے کہانی طاقت ور اور کمزور کے درمیان ہونے والی ازلی کشمکش کو بیان کرتی ہے، لڑکی کا والد سچی گواہی کی سزا بھگتاتا ہے۔ لڑکی پڑوس میں پناہ لیتی ہے کہانی کا مرکزی کردار لڑکی کو خط لکھتا ہے اور بقول امجد طفیل

"لڑکی کے لئے باگھ بگھیلی رات شاید چالیس دن کے بعد ختم ہو گئی

لیکن "میں" کے لئے وہ ساری زندگی پر محیط ہونے والی ہے"۱۱

افسانہ "ماس اور مٹی" کے کردار، معاشی بھوک کے المیے کو پیش کرتے ہیں اس کے ساتھ گھٹن زدہ سماج میں جنسی بھوک اقدار کا خاتمہ کرتے نظر آتے ہیں۔ افسانے ناتو سانسی چوری کرتا ہے۔ چوری گھر کے سامان یا اسباب زر کی نہیں بلکہ کھانے کی چیزوں کی کرتا ہے۔ ناتو سانسی کا کردار ایک ایسے سماجی، معاشی اور انسانی کرب کا اظہاریہ ہیں جو عام طور پر روزمرہ زندگی کے پس منظر میں دب جاتا ہے۔ ان کرداروں کی چوری محض جرم نہیں بلکہ مجبوری، بھوک، اور بنیادی انسانی ضرورت کی شدت کا ایسا اظہار ہے جو قانونی، اخلاقی یا سماجی دائرے میں بیان نہیں ہو سکتی۔ یہ لوگ کسی قیمتی زیور، کپڑے یا پیسے کی چوری نہیں کرتے، بلکہ کھانے پینے کی معمولی چیزیں چراتے ہیں، جو اس بات کا اعلان ہے کہ ان کی جنگ زندگی کے لیے ہے، نہ کہ آسائش کے لیے۔

"پولیس کا خیال ہے کہ اس ٹولی میں کم از کم چھ سات آدمی ہیں لیکن

میرا دل کہتا ہے کہ ایک ہی آدمی ہے جو کئی صدیوں سے بھوکا ہے"۱۲

صدیوں کی بھوک اجتماعی لاشعور سے وابستہ فرد کے داخلی کرب کا وہ اظہار ہے جو تاریخی، تہذیبی اور مسلسل محرومی ہے۔ یہاں فرد کی ذات، ایک داخلی خلاء میں ہے جسے نہ روٹی بھر سکتی ہے، نہ قانون کی گرفت مٹا سکتی ہے، کیونکہ یہ بھوک جسم کی نہیں، بقا کی ہے ناتو سانسی بھوک کا استعارہ ہے یہ بھوک پیٹ تک محدود نہیں بلکہ جنس کی بھی ہے وہ مرد ار کھاتا ہے اور اس کے نزدیک سگے رشتوں کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔

افسانہ "گھر سے باہر ایک دن" فرد کے انفرادی تنہائی اور خارجی مسائل کے مابین کشمکش کو بیان کرتا ہے کہانی کا مرکزی کردار گھر سے باہر جاتا ہے اور گوناگوں مسائل میں پھنس جاتا ہے مصنف ان تمام واقعات کو ایسے انداز میں تخلیق کرتا ہے کہ جن سے ہمیں فرد کے داخلی اضطراب اور ذہنی الجھنوں کا علم ہوتا ہے افسانے میں فرد کا گھر سے باہر نکلنا داخلی تنہائی اور خارجی دنیا کے مابین ایک مسلسل اور پیچیدہ کشمکش کو نمایاں کرتا ہے۔ کہانی کا مرکزی کردار جب گھر سے باہر نکلتا ہے تو بظاہر وہ ایک روزمرہ کا عمل انجام دے رہا ہوتا ہے، مگر یہی معمولی قدم اس کے لیے ایک ایسی دنیا کا دروازہ کھول دیتا ہے جو تضادات، الجھنوں، اور عدم توازن سے بھرا ہے۔

گھر کی دہلیز سے آگے خلا تھا وہ دور تک مکڑی کی

طرح اپنے ہی تاگے سے لٹکتا چلا گیا پتہ نہیں زمین کہاں تھی"۱۳

کردار کا یہ سفر درحقیقت ایک داخلی سفر ہے جو ایک دن کے وقتی وقفے میں فرد کی پوری زندگی کے بحران کو سامنے لاتا ہے۔ یہ بحران محض خارجی حالات کی پیداوار نہیں بلکہ ان کے ساتھ فرد کی اندرونی ساخت، یادداشتیں، خوف اور امیدیں بھی جڑی ہوئی ہیں۔

افسانہ "نئی دستک" والد اور بیٹے کے درمیان گفتگو کی کہانی نہیں، بلکہ دو نسلوں کے درمیان بدلتے ہوئے رویوں، وقت کی قلت، اور مکالمے کی گم ہوتی روایت کا نوحہ ہے۔ بچہ سوال کرتا ہے، اور والد اگرچہ اس کے ہر سوال کا جواب دیتا ہے، مگر اندر ہی اندر وہ جھنجھلاہٹ کا شکار ہے کیونکہ یہ وہ نسل ہے جس کے پاس وقت نہیں، جذبہ ماند پڑ چکا ہے، اور تعلقات محض ذمہ داری بن کر رہ گئے ہیں۔

باپ کے ساتھ اس کے والد کا رویہ مختلف تھا وہ سوالوں کا خیر مقدم کرتا تھا
گفتگو کا دروازہ کھلا تھا۔ موجودہ انسان کے پاس یہ سکت نہیں
"جمی اداس نظروں سے مجھے دیکھتا ہوا باہر نکل گیا اور مجھے
ایسا لگا جیسے میں ہمیشہ کے لئے اس کی دوستی اور اعتماد سے محروم ہو گیا ہوں"۱۴

افسانہ اوور ٹائم مصروف زندگی میں فرد کے شناخت اور مقام کے مسئلے کو پیش کرتا ہے مرکزی کردار جی ایم کے سامنے اپنے آپ کو لانا چاہتا ہے اور ان کی ہمدردی وصول کرنا چاہتا ہے وہ ترقی چاہتا تھا البتہ ان کے اور جی ایم صاحب کے مابین بہت سارے چھوٹے بڑے افسروں کا راستہ تھا وہ ان افسروں کا سامنا نہیں کر سکتا تھا پھر جی ایم سے بات کیسے کرتا جی ایم صاحب کے گھر میں فوتگی ہوئی تو وہ ان کے بنگلے پر گیا دل میں تہیہ کر لیا کہ جب تک جی ایم صاحب ان پر نظر نہیں ڈالیں گے وہ وہاں سے نہیں جائیں گے وہ قبرستان تک گئے البتہ جی ایم صاحب نے کوئی نظر نہیں ڈالی اور آخر میں چند روپے دے کر سب گورکنوں کے ساتھ اس کو بھی پانچ روپے دے کر رخصت کیا۔

"جی ایم صاحب نے کوئی نظر نہیں ڈالی اور آخر میں چند روپے دے کر سب گورکنوں کے ساتھ اس کو بھی پانچ روپے دے کر رخصت کیا۔" یہ منظر صرف ایک انسان کی بے قدری کا بیان نہیں بلکہ اس بات کا اعلان ہے کہ طبقاتی اور بیوروکریٹک نظام میں انسان کی شناخت اس کے درجہ اور ظاہری مقام سے جڑی ہوتی ہے محنت، خلوص اور انسانیت سے نہیں۔ اس طرح "پانچ روپے" صرف ایک رقم نہیں بلکہ ایک پورے وجود کی قیمت بن جاتے ہیں، اور فرد اپنی شناخت کی تلاش میں صرف "اوور ٹائم" کا اضافہ پاتا ہے، مقام یا پہچان نہیں۔

افسانہ "پے انگ گیسٹ" بھی فرد کی شناخت اور داخلی کرب کی عکاسی پیش کرتا ہے مرکزی کردار گھر کا سربراہ ہے اس کی بیٹیاں ہیں بیوی ہے البتہ وہ اس گھر میں اپنے رشتے کو کوئی نام نہیں دے سکتا وہ جانتا ہے کہ اس کے پاس آرام اور آسائش ہے وہ جانتا نہیں کہ وہ کس حیثیت سے رہ رہا ہے

"اڑوس پڑوس میں اکثر نئے لوگ اگئے ہیں ویسے بھی کسی کو یہ معلوم کرنے کی فرصت نہیں
کہ اس گھر میں وہ کس حیثیت سے رہ رہا ہے عام لوگ اسے گھر کا مالک ہی سمجھتے ہیں وہ خود
بھی اکثر بھول جاتا ہے کہ وہ گھر کا مالک ہے یا ہے انگ گیسٹ"۱۵

پے انگ گیسٹ کا فرد وجودی بحران، داخلی کرب اور شناخت کے مبہم احساس کو نہایت موثر علامتی انداز میں پیش کرتا ہے۔ کہانی کا مرکزی کردار بظاہر ایک مکمل، پُرامن زندگی گزار رہا ہے اس کی بیویاں ہیں، بیٹیاں ہیں اور گھر میں "ہر آرام اور آرائش" موجود ہے۔ مگر اس ظاہری سکون کے پس پردہ ایک گہری خالی پن اور بے یقینی کی کیفیت چھپی ہوئی ہے۔ افسانہ بانجھ ہوا میں سانس "کا مرکزی کردار خواب میں ہے اور وہ گرد و پیش کا مطالعہ کرتا ہے اور جب اس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں تو ماحول بدل چکا ہوتا ہے

"گھپ اندھیری رات، ہوا بند، اندر باہر دم گھٹنے والا حبس اوپر گرد آلود آسمان اور بجھتے ہوئے
ستارے نیچے ہانپتے ہوئے بیل کے سینگوں پر ڈولتی زمین"۱۶

افسانہ "بانجھ ہوا میں سانس" ایک علامتی اور فکری بیانیہ ہے جو انسانی وجود کی الجھن، وقت کی لایعنیت، اور گرد و پیش میں ہونے والی تبدیلیوں کی دھندلی مگر خوفناک تصویر پیش کرتا ہے۔ مرکزی کردار خواب کی حالت میں ہے، لیکن یہ خواب محض نیند کا سلسلہ نہیں بلکہ اندرونی شعور اور خارجی حقیقت کے ملاپ کا ایک کربناک مرحلہ ہے، جہاں وہ اپنے ماحول کا مشاہدہ کرتا ہے

"ہر ایرے غیرے کو ہوا کا راشن نہیں دیا جائے گا ہوا صرف ایسے
لوگوں کو مہیا کی جائے گی جن کا زندہ رہنا ضروری سمجھا جائے گا"۱۷

ماس اور مٹی کے افسانے زندگی کے تلخ حقائق کو بیان کرتے ہیں افسانہ نگار تجریدی خیالات کو بھی مجسم بنا کر ایسے انداز میں پیش کرتے ہیں گویا واقعات پر ان کے گرفت مکمل ہے اور وہ چھوٹے سے چھوٹے واقعے کو طاقتور صورت میں پیش کرنے کا ہنر جانتے ہیں وہ انسانوں میں ناانصافی اور ہونے والے مظالم کو سامنے لاتے ہیں۔ افسانہ خواہش سراب ہیں، کا کردار وقت کے گزرنے کے احساس سے کرب میں مبتلا ہے وہ گزرتے ماہ و سال کو تسلیم نہیں کرتا.

"ابھی تو میں نے زندگی کے پرچے کی ابتدا کی ہے ابھی تو میں نے چند سطریں لکھی ہیں"۱۸

وہ اپنی زندگی میں ان دنوں کو شمار کرتا ہے جو اس کے تھے جو لوگوں کی وجہ سے رسم و رواج کی وجہ سے، اس کی مرضی کے بغیر، کرب میں گزرے وہ ان کا انتخاب کرنے کو تیار نہیں، اس کو محدود ماحول کے انتحاب، تعلیم، روزگار، من پسند عورت، یہاں تک کہ راستوں کے انتخاب کا حق نہیں تھا اس لئے وہ اس میں گزارے گئے وقت کو اپنانے سے انکاری ہے.

"ابھی تو میں نے زندگی کے پرچے کی ابتدا کی ہے، ابھی تو میں نے چند سطریں لکھی ہیں"۱۹

یہ افسانہ ان چہروں کی نمائندگی کرتا ہے جو ظاہری طور پر زندہ، مگر باطنی طور پر محروم ہوتے ہیں جن کے خواب سراب بن جاتے ہیں، اور زندگی پر ان کا کوئی اختیار نہیں رہتا۔ افسانہ بچھڑے ہوئے ہاتھ، انسانی داخلی کرب کا المیہ ہے مرکزی کردار اپنے جسم سے بچھڑ چکا ہے وہ اپنے پاؤں کو یاد کرتا ہے اپنے ہاتھ کو انگلیوں کو یاد کرتا ہے اس کی ایک انگلی کٹ گئی تھی وہ اسے یاد کرتا ہے اسے لگتا ہے کہ اس کا دھڑ دفن ہے داخلی طور پر وہ ایک وجودی کرب میں گرفتار ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس کا دکھ شعوری نہیں، خارجی نہیں، اور یہی رویے ہمیں منشایاد کے افسانوں میں ملتے ہیں، فرد کا داخلی اضطراب اس کی ذات کو بے چین رکھتا ہے۔ ماس اور مٹی کے افسانوں میں یہ احساس شدت سے ملتا ہے۔

منشایاد کا افسانوی مجموعہ "ماس اور مٹی کا مطالعہ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ ان کی تخلیقات میں فرد کا داخلی کرب نہ صرف موضوعاتی تشکیل کا عنصر ہے بلکہ ان کی فنکارانہ ہیت اور علامتی ساخت میں بھی پیوست ہے۔ ان کے افسانوں میں فرد ایک ایسے وجود کے طور پر سامنے آتا ہے جو معاشرتی جبر اور داخلی انتشار کے باعث شدید ذہنی و جذباتی کشمکش سے دوچار ہے۔ انہوں نے اس کرب کو محض بیانیہ سطح پر پیش نہیں کیا بلکہ اسے علامت، تجرید اور بین السطور کی فضا میں اس طرح جذب کیا ہے کہ وہ قاری کے شعور و لاشعور دونوں سے مکالمہ کرتے ہیں۔ ان کی کہانیوں میں کرداروں کے باطنی تضادات، اس عہد کے فرد کے اجتماعی اور انفرادی مسائل کی عکاسی کرتے ہیں۔

حوالہ جات:

۱)اردو افسانے کا دوسرا جنم اور مرتبین، ڈاکٹر محمد خاور نوازش، ڈاکٹر عبد العزیز ملک، ۲۰۲۳ فنکشن ہاؤس لاہور، ص ۱۱

۲)محمد منشایاد فلیپ ماس اور مٹی گورا پبلشرز لاہور ۱۹۹۵

۳)ڈاکٹر وزیر آغا، درخت آدمی، مشمولہ اردو افسانے کا دوسرا جنم، مرتبین ڈاکٹر محمد خاور نوازش، ڈاکٹر عبد العزیز ملک، فکشن ہاؤس لاہور ۲۰۲۳، ص ۵۸۳

۴)محمد منشایاد، مس اور مٹی، راستے بند ہیں، مارڈن بک ڈیپو آپارہ اسلام آباد ۱۹۸۰ صفحہ ۱۱

۵)ایضا ۱۲

۶)ایضا ص ۱۵

۷)ایضا ۲۱

۸)ایضا ۲۱

۹)ایضا ۲۷

۱۰)ایضا ۴۲

۱۱)منشایاد کی افسانہ نگاری، مشمولہ اردو افسانے کا دوسرا جنم، مرتبین ڈاکٹر خاور نوازش ڈاکٹر عبد العزیز، فکشن ہاؤس لاہور ۲۰۲۳ ص ۶۱۸

۱۲)محمد منشایاد، ماس اور مٹی، راستے بند ہیں، مارڈن بک ڈیپو آپارہ اسلام آباد ۱۹۸۰ صفحہ ۵۷

۱۳)ایضا ص ۵۹

۱۴)ایضا ص ۷۳

۱۵)ایضا ۷۳

۱۶)ایضا ۹۶

۱۷)ایضا ۹۹

۱۸)ایضا ص ۱۱۵

۱۹)ایضا ۱۱۵